جناب مولانا عبدالرحمن کیلانی

قسط نمبر (۱)

◎ اسلامی نظامِ معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کا مقام

موجودہ معاشی مصائب کا واحد حل سوشلزم نہیں اسلام ہے!

◎

اسلامی نظامِ معیشت ایک مستقل نظام ہے۔ جس کی جزئیات پر آئندہ (ان شاء اللہ) بالتفصیل لکھنے کا ارادہ ہے۔ اس صحبت میں ہم اسلامی نظامِ معیشت کی صرف ایک شق (سادگی اور کفایت شعاری) پر بحث کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس نظام کے کسی ایک جزو پر ہی عمل کر لیا جائے تو ایسے فوائد کثیرہ اور برکاتِ وافرہ سے ہم اپنا دامن بھر سکتے ہیں جن کا حصول کسی دوسرے نظام کو مکمل طور پر اپنانے کے بعد بھی ناممکن ہے ــــ!

موجودہ دور میں جو لوگ "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کا نعرہ لگا رہے ہیں، ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ "سوشلزم" تو بذاتِ خود ایک مستعار نظام ہے جس کی نظریاتی بنیاد "اسلامی مساوات" پر رکھی گئی ہے اور اگر کہیں نظریہ کے ساتھ ساتھ اس کا طریق کار اور لائحہ عمل بھی اسلامی مساوات کے اصولوں کے تابع ہوتا تو ہم کم از کم اسے اسلامی نظامِ معیشت کا ایک حصہ سمجھ کر ہی اپنانے میں کوئی باک محسوس نہ کرتے۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس مستعار نظام کا طریق کار اسلامی اصولوں سے اس قدر تضاد رکھتا ہے

کہ اس کا نظریہ بھی (جو اپنی اصلی حالت میں شاید درست ہوتا) باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلامی نظامِ حیات کے ہر پہلو نے، غیر مسلموں سے، ہر دور میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ اگرچہ اپنی روایتی اسلام دشمنی کے پیش نظر انہوں نے ہمیشہ اس نظام کو اس کی اصلی حالت میں اور اسی نام سے اپنانے میں اپنی ہتک محسوس کی ہے۔ تاہم عرب کے وسیع ریگزاروں سے پھوٹنے والے برکات و محاسن کے ان سرچشموں سے محروم رہنا بھی ان کے لئے بیحد صبر آزما تھا جو پوری اسلامی دنیا کو سیراب کر رہے تھے، اس لئے انہوں نے اس نظام کے بعض حصوں کو، ان میں تھوڑی بہت تحریف کر کے اور اپنی طرف سے کوئی نیا نام دے کر اپنا لیا ——— سوشلزم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ——— اور اگر یہ درست ہے (اور یقیناً درست ہے) تو ان لوگوں کی حالت پر رحم آنے لگتا ہے جو اپنے گھر کے بیش قیمت خزانوں سے آنکھیں بند کر کے اغیار کی جھوٹی کے خیراتی ٹکڑوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

——— زیر نظر مضمون میں مصنف نے اسلامی نظامِ معیشت کے چند ایک پہلوؤں کو اجاگر کر کے جہاں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ نظام ہمارے لئے رحمت کی گھٹاؤں کا پیغام لا سکتا ہے وہاں یہ بھی واضح کیا ہے کہ سوشلزم ایک ایسی آندھی ہے جس میں چھپی ہوئی بجلیاں ہماری زیست کو جلا کر راکھ کا انبار بنا سکتی ہیں۔ (اکرام اللہ ساجد)

اسلامی نظامِ معیشت کا ایک اہم اصول سادگی اور کفایت شعاری ہے۔ جس طرح اسلام کسبِ حلال پر زور دیتا ہے اور ہر حرام ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنا ناجائز قرار دیتا ہے، اسی طرح (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) اپنی حلال کمائی کو ڈھنگ سے خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے خرچ کرنے میں جو اہم اصول پیش نظر رکھنے کی تلقین ہے وہ اقتصاد ہے جسے دوسرے لفظوں میں ہم اعتدال کا نام دے سکتے ہیں۔ یعنی اپنی ہر جائز ضرورت پر پورا پورا خرچ کرنا کہ نہ تو بخل سے کام لیا جائے اور نہ ہی تعیشات پر خرچ کیا جائے۔ اسلام کی نظر میں یہی پسندیدہ ہے۔ مومنوں کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے:

"والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما"

کہ (ایماندار لوگ وہ ہیں) جو خرچ کرتے وقت نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی

بخل سے کام لیتے ہیں "

اسلام نے امت مسلمہ کو" امۃ مقتصدۃ " (افراط و تفریط سے ہٹ کر درمیانی راہ پر چلنے والی امت کے نام سے یاد کیا ہے - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

"خیر الامور اوساطھا "

کہ "بہترین کام میانہ روی ہے "

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرے تو اسلام کی نظر میں یہ خود غرضی اور لالچ ہے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو باعثِ فساد اور انسان کو ظلم کی راہ پر گامزن کرنے والی ہے - مقولہ مشہور ہے کہ زر، زن اور زمین دنیا میں جھگڑے اور فساد کی جڑ ہیں - لیکن اگر غور کیا جائے تو ان سب میں بھی خود غرضی ہی جزءِ مشترک نظر آتی ہے - اور یہ خود غرضی ایسی چیز ہے جو انسان کو اسراف (یا بسا اوقات بخل) کا عادی بنا دیتی ہے جسے قرآن کریم میں نہ صرف ممنوع قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے مرتکب افراد کو" اخوان الشیاطین " کے نام سے یاد کیا گیا ہے - ارشاد باری تعالیٰ ہے :

" وآت ذا القربی حقہ والمساکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا - ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الانسان لربہ کفورا "

" رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے "

اسلام اس حد تک اجازت تو دیتا ہے کہ انسان اپنا حق وصول کرے لیکن اس سے زیادہ نہ لے، نہ لینے کی کوشش کرے - یہی چیز عدل ہے - کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے حق سے کلیتہً دستبردار ہو جائے تو دنیا میں مادی ترقی کی رفتار ختم ہو کر رہ جائے اور اسلام اسے " رہبانیت " کا نام دیتا ہے جو اس کی نظر میں ناپسندیدہ ہے - ہاں اگر کوئی شخص اختیار رکھنے کے باوجود بھی اپنا حق کم وصول کرے یا اپنے دوسرے بھائی کو زیادہ دے دے تو یہ ایثار ہے -

کفایت شعاری کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات پر کم خرچ کرے اور خود بچت کر کے اپنے سے مفلس لوگوں کی طرف وہ بچت منتقل کرے تاکہ خود غرضی کا قلع قمع ہو اور ایثار کی عادت بڑھے - اور اس ایثار کا بلند تر درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ضرورت کو بھی پس پشت ڈال کر

دوسرے بھائی کی ضرورت پوری کرے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ"

کہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ وہ محتاج ہوں"۔

رہی یہ بات کہ اپنے جائز حق کی تعیین کیا ہو تو اس کے متعلق قرآن مجید کا حکیمانہ ارشاد یہ ہے:

"بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ ولو القیٰ معاذیرہ"

کہ انسان خواہ کتنی ہی معذرتیں کرے، وہ اپنے نفس (کے معاملات) کو خوب پہچانتا ہے۔

انسان کا ضمیر اس کے اپنے حق میں بالکل جائز اور درست فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ انسان اس ضمیر کو مسخ کر کے ڈھیٹ پن کا ثبوت نہ دے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات عیاں ہے کہ ایثار کا سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ (معاشی اور معاشرتی طور پر) گہرا تعلق ہے۔ تاریخ اسلام میں سے متعدد مثالیں کفایت شعاری کے متعلق پیش کی جا سکتی ہیں۔

جنگِ احزاب کے بعد مسلمان مالِ غنیمت کی وجہ سے پہلے کی نسبت کافی آسودہ حال ہو گئے تو دیگر مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ازواجِ مطہرات نے بھی زیورات اور نان نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مطالبہ سے سخت گھٹن محسوس ہوئی اور آپؐ پورے ایک ماہ کے لئے گھر سے مسجد کے بالاخانے میں منتقل ہو گئے۔ تمام صحابہ کرامؓ اس صورتِ حال سے سخت پریشان تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنی بیٹیوں حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کو الگ الگ سمجھاتے تھے مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ بالآخر خدائی احکام نے اس تنازعہ کا دوٹوک فیصلہ کر دیا۔ اور یہ آیات نازل ہوئیں:

"یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما" (الاحزاب: ۳۳)

کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ازواج (مطہرات) سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا

اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقہ سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

اب ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہے تو سامان دنیا لے لیں پھر انہیں مناسب طریقہ پر ان کے گھروں کو روانہ کر دیا جائے گا اور چاہے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے مطابق ان کے ساتھ سادگی سے زندگی بسر کریں ——— غور فرمائیے، کیا ازواج مطہراتؓ، امہات المؤمنین کا یہ مطالبہ ناجائز تھا؟ خصوصاً جبکہ اکثر مسلمان آسودہ حال ہو چکے تھے۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے، کیا دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی صف پر لیٹے ہوئے ہیں اور انہی پتوں سے بھرا ہوا آنکیہ ہے۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ جسم مبارک پر صف کے نشان پڑ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس منظر سے آب دیدہ ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (فداہ ابی و امی) قیصر و کسریٰ تو اللہ کے باغی ہو کر عیش کریں اور آپؐ اللہ کے رسول ہو کر بھی اتنی پر مشقت زندگی بسر کریں۔ کیا ہم آپ کے لئے بھی قیصر و کسریٰ کا سا سامان راحت نہ مہیا کر دیں۔ لیکن آپؐ نے "الفقر فخری" کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جبکہ مدینہ میں اسلامی سٹیٹ قائم ہو چکی تھی، عرب کا کافی حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا اور آپ کی قیادت میں نظام معیشت بھی کافی مستحکم اور مضبوط ہو چکا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھ کر غنیمت سے حاصل ہونے والے غلام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے ہیں۔ آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ وہاں تشریف لاتی ہیں اور اپنے والد محترم کو اپنے (چکی پیس پیس کر اور پانی ڈھو ڈھو کر گھسے ہوئے ہاتھ دکھا کر عرض کرتی ہیں کہ مال غنیمت میں سے سب کو حصہ مل رہا ہے تو ایک غلام مجھے بھی عنایت فرما دیجئے لیکن آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو خالی ہاتھ واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ گھر پر میرا انتظار کرنا۔ بعد ازاں آپؐ وہاں سے فراغت پا کر اپنی صاحبزادی کے گھر پہنچے اور فرمایا:

"بیٹی! کیا میں تمہیں ایسا وظیفہ نہ بتاؤں جو غلام حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ تم ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر رات کو سوتے وقت پڑھ لیا کرو"

غور فرمائیے، آخر یہ سب کفایت شعاریاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور اپنے گھر والوں پر کیوں لازم قرار دے رہے ہیں؟

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ، حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں تشریف لائے تو ایک پردہ پڑا ہوا دیکھ کر فوراً واپس چلے گئے اور فرمایا کہ انسان در و دیوار کی نسبت کپڑے کے زیادہ حقدار ہیں۔

خلفائے راشدہ کے دور سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو اپنے گذارہ کے لئے بیت المال میں سے ایک متوسط درجہ کے مزدور کا روزینہ یعنی چار درہم کی رقم لینی منظور کی۔ ایک دن آپؓ کی اہلیہ محترمہ نے اس قلیل رقم میں سے کچھ بچت کر کے حلوہ پکالیا تو آپؓ نے پوچھا کہ اس حلوہ کے لئے پیسے کہاں سے آئے؟ اور جب بیوی نے صورتِ حال سے آگاہ کیا تو آپ نے اپنا روزینہ کم کر دیا ——— یہ اس شخص کا حال ہے جو خلافت سے پہلے کپڑے کا تاجر تھا اور آپ کا شمار متمول لوگوں میں ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی سادگی سب سے بڑھ کر ہے۔ قیصر روم کا سفیر آپؓ سے ملنے کے لئے آیا۔ لوگوں سے پوچھا، تمہارے خلیفہ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ بیرونِ شہر فلاں درخت کے نیچے آرام فرما ہیں۔ دیکھا تو ایک معمولی آدمی ننگی زمین پر لیٹا سو رہا ہے۔ سمجھا کہ شاید لوگوں نے مجھے غلط پتہ دیا ہے دوبارہ جا کر پوچھا، اس دفعہ بھی اسے وہی خبر دی گئی۔ وہ اسی درخت کی طرف واپس آیا اور حضرت عمرؓ کو بیدار پایا۔ جب آپ سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اب اسے یقین آیا کہ یہی عمرؓ ہیں جو مملکت اسلامیہ کے سربراہ ہیں جن کی ہیبت سے قیصر روم وہاں بیٹھا بھی کانپ اٹھتا ہے۔ لیکن سادگی کا یہ عالم ہے کہ ۲۲ لاکھ مربع میل کے وسیع و عریض رقبہ پر حکم چلانے والے خلیفہ کی قمیص میں ۱۲ پیوند لگے ہوئے ہیں اور تکیہ کا کام اپنے دُرّہ سے چلا رہے ہیں۔

آپ کے عہد خلافت میں بیت المقدس پر چڑھائی ہوئی اور عیسائی محصور ہو گئے۔ محاصرہ نے طول کھینچا تو عیسائیوں نے اسلامی سپہ سالار سے مطالبہ کیا کہ اپنے خلیفہ کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ معاہدہ کریں گے۔ اس مطالبہ پر آپؓ اس سفر پر روانہ ہو گئے۔ سفر میں ایک اونٹ اور ایک غلام آپ کے ساتھ تھا۔ اونٹ پر باری باری سفر کرتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ جب بیت المقدس

پہنچے تو اپنی باری کے مطابق غلام اونٹ پر سوار تھا - اسی عالم میں شہر میں داخل ہوئے - عیسائیوں نے جب یہ منظر دیکھا کہ خلیفہ گھوڑے کی باگ تھامے پیدل چلا آرہا ہے اور غلام اونٹ پر سوار ہے تو انہوں نے بغیر کسی بات چیت کے اطاعت قبول کر لی - دراصل وہ یہی کچھ دیکھنا چاہتے تھے کہ فاتح بیت المقدس کی جو علامات ان کی کتابوں میں درج ہیں، آیا وہ خلیفہ عمرؓ میں موجود ہیں یا نہیں؛ اور جب آپ کو دیکھ کر انہیں یقین ہوگیا تو فوراً اطاعت قبول کر لی۔

بصرہ کے والی (گورنر) نے اپنے لئے پختہ مکان بنوالیا اور ایک ڈیوڑھی بھی بنوالی - آپؓ کو اس خبر سے تنگی محسوس ہوئی - آپ نے قاصد بھیج کر اسے یہ ہدایت کی کہ وہاں پہنچ کر گورنر کو کچھ کہے بغیر اس کے مکان کو آگ لگا دینا - چنانچہ یہی کچھ ہوا۔

ایک گورنر کے متعلق شکایت ملی کہ اس نے دروازے پر دربان رکھ لیا ہے - آپؓ نے اس گورنر کو اسی جرم کی پاداش میں معزول کر دیا -

اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کی طرف آئیے - جو خلافت سے قبل بڑے ہی خوش پوش تھے - ہر روز نئی پوشاک بدلتے تھے اور نہایت قیمتی گھوڑوں کی سواری کرتے تھے - لیکن خلافت کے بعد انتہا کی سادگی کو اپنا لیا، اپنی ساری جاگیریں بیت المال میں جمع کرادیں اور ان کی دستاویزات پھاڑ کر پھینک دیں - اپنی بیوی حضرت فاطمہ سے فرمایا، میرے ساتھ رہنا ہے تو سارا زیور اور سارا قیمتی سامان بیت المال میں جمع کرانا ہوگا ورنہ اپنے میکے چلی جاؤ - اس پر اس وفا شعار بیوی نے اپنا سب کچھ بیت المال میں جمع کرادیا اور خود سادگی سے رہنا منظور کر لیا - ایک دفعہ ایک غریب عورت ان کے گھر آئی اور عرض کیا، مجھے دو بیٹیوں کا نکاح کرنا ہے - بیت المال سے میرے مالی تعاون کے لئے خلیفہ سے سفارش کیجئے - اس عورت نے دیکھا کہ گھر میں ایک شخص پانی کے لئے کھگل تیار کر رہا ہے اور وقتاً فوقتاً حضرت فاطمہ کو دیکھ بھی لیتا ہے - اس عورت نے حضرت فاطمہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے جو آپ کو اس طرح گھور گھور کر دیکھتا ہے - حضرت فاطمہ نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہی تو خلیفۃ المسلمین ہیں - حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز عورت کی عرض تو پہلے ہی سن چکے تھے - اس کی امداد کے لئے آرڈر لکھ دیا - وہ بہت ممنون ہوئی اور خوشامد کر کے کچھ مزید امداد کا مطالبہ کر دیا جس سے آپ نے یکسر انکار کر دیا اور فرمایا، "پہلے جو کچھ میں نے دیا تھا، محض اللہ کی رضا کے لئے

تھا اور اب میں اپنی خوشامد کے عوض مسلمانوں کا مال ضائع نہیں کرنا چاہتا۔"

کیا یہ چند ایک واقعات اسلامی زندگی کا پہلو نہیں؟ یہ پہلو آج کل کہاں نظر آتا ہے؟ اور اگر نظر نہیں آتا تو کیا واقعی یہ یکسر فراموش کر دیئے جانے کے قابل ہے؟ کیا یہ طرزِ عمل اسلام نے صرف امراء اور حکام کے لئے مخصوص رکھا ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ "الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق عوام اپنے امراء کی دیکھا دیکھی اور امراء، مندرجہ بالا امثلہ کی روشنی میں، سادگی اور کفایت شعاری کو اپنالیں تو معاشرہ سے بے شمار برائیاں مثلاً رشوت، چوری، ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور بددیانتی وغیرہ ختم ہو سکتی ہیں۔ تاہم انفرادی طور پر بھی کفایت شعاری کے فوائد کچھ کم نہیں۔

اس کے برعکس اگر ایک شخص اپنی آمدنی کے لحاظ سے یا اس سے بڑھ کر اپنی خوراک یا رہائش وغیرہ پر نمائش کے لئے خرچ کرتا ہے تو کیا اس سے نچلے طبقے کے لوگ "ریس" کا شکار ہو کر یہی کچھ کرنے کی کوشش نہ کریں گے جبکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ "لا یسئم الانسان من دعاء الخیر" (انسان کبھی بھلائی کی دعا مانگتے نہیں تھکتا) لہٰذا ہر شخص سامان تعیش کے حصول کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ ضرور استعمال کرے گا جس کے نتیجہ میں، معاشرہ میں ایسی ہی برائیوں کا رواج پا جانا ناگزیر ہے، جن کا آج ہم شکار ہیں۔

تصحیح

ستمبر ۷۴ء کے شمارہ میں صفحہ ۴۸ پر، غازی ٹوتھ پاؤڈر کا اشتہار طبع ہوا تھا، اس میں "فارمولا جارج اینٹونوف" کے بجائے "فارمولا ڈاکٹر جارج اینٹونوف" پڑھا جائے۔

(مینجر)